اہلِ خانہ کی تربیت اور تقاضے

پروفیسر ظفرالاسلام اصلاحی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم ۶۶:۶) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

اس آیت میں مومنین کو ایک انتہائی اہم ہدایت (جس پر انسان کی حقیقی کامیابی کا دارو مدار ہے) دی گئی ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو نارِ جہنم سے بچانے کی فکر و کوشش کرنا۔ بلاشبہہ جہنم سے بچ جانا اور جنت نصیب ہونا ہی انسان کی اصل کامیابی ہے، جیسا کہ ارشاد ربّانی ہے:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط (اٰل عمرٰن ۳: ۱۸۵) جو جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہی (حقیقی معنوں میں) کامیاب ہوا۔

ظاہر ہے کہ جنت نصیب ہونا منحصر ہے روزمرہ زندگی میں اللہ رب العزت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت پر۔ اہلِ ایمان کے لیے آیت کا پیغام بہت ہی واضح ہے کہ وہ حکمِ الٰہی وسنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنے حالات سدھاریں، زندگی کے ہر شعبے میں دین کے تقاضوں کو پورا کریں، اور اسی طور پر اپنے گھر والوں کی اصلاح کے لیے پوری کوشش کریں۔ اس آیت کے نزول پر حضرت عمر ابن خطابؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! اپنے آپ کو کیسے جہنم سے بچائیں، یہ تو سمجھ میں آگیا (کہ احکامِ الٰہی پر عمل کریں اور گناہوں سے دُور رہیں)، مگر ہم اپنے اہل وعیال کو کس طرح جہنم سے بچائیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے، اہل وعیال کو ان کاموں

سے منع کرو، اور اللہ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان کے کرنے کا انھیں حکم دو تو یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچائے گا (روح المعانی، ج۲۸،ص ۱۵۶)

صاحبِ تفہیم القرآن نے اس آیت کی تشریح میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ اپنی ذات کو اللہ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرے، بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ جس خاندان کا وہ سربراہ ہے اس کو بھی ممکن حد تک ایسی تعلیم و تربیت دے کہ وہ احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے والا بن جائے، تاکہ اللہ رب العزت اس سے راضی ہوجائے اور وہ جہنم سے بچ جائے (تفہیم القرآن، ج۶،ص ۲۹-۳۰، حاشیہ ۱۶)۔

● **نیکی و خیر خواہی کی تاکید:** قرآن کریم میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو 'خیر اُمۃ' کے لقب سے مشرف کیا گیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ یہ شرف و اعزاز مَرتبت ہے ایک بہت بڑی ذمہ داری (یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر) سے (اٰل عمرٰن ۳: ۱۱۰)۔ سورۂ توبہ کی آیت ۷۱ میں مومن مردوں اور عورتوں کے امتیازی اوصاف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے باہم رفیق ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز کا اہتمام کرتے ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی کے پابند ہیں اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت میں سرگرم رہتے ہیں۔ اس آیت سے یہ نکتہ اخذ ہوتا ہے کہ رفاقت و دوستی اور بھائی چارگی کے تقاضے میں سے یہ ہے کہ ایک دوسرے کو نیکی کی دعوت دی جائے اور بُرے کام سے دور رکھنے کی کوشش کی جائے۔ مزید برآں حدیث میں دین کو سراپا 'نصیحۃ' (خیر خواہی) سے تعبیر کیا گیا ہے: اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)۔ اس سے بڑھ کر کسی کی خیر خواہی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسے نیکی کی راہ پر چلانے اور برے کاموں سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ سورۃ العصر ایک مختصر لیکن جامع ترین سورہ ہے۔ اس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ کس کو حقیقی کامیابی نصیب ہوگی اور کون خسرانِ عظیم سے دوچار ہوگا؟ اس کے مطابق وہ لوگ خسران سے محفوظ رہیں گے جو ایمان و عملِ صالح کے ساتھ 'تواصی بالحق' اور 'تواصی بالصبر' سے شغف رکھتے ہیں۔

مولانا عبدالباری ندوی اس سورہ کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''انسان کو بحیثیت مجموعی خسران سے بچانے کے لیے صرف کچھ افراد کا اپنی اپنی جگہ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا حق ادا کر کے

مومنِ صالح بن جانا کافی نہیں، بلکہ ایمان وعمل صالح کی اس حقّانی زندگی کو پوری نوع انسانی میں پھیلانے اور پیدا کرنے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کو اس کی فہمایش و تاکید کرتے رہنا بھی لازم ہے'' (قرآن کا دو آیاتی نظامِ صلاح و اصلاح، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰۶)۔

● **اہلِ خانہ کی اصلاح**: زیرمطالعہ آیت میں اپنے 'اہل' کو نارِ جہنم سے بچانے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی اپنی اصلاح کے ساتھ 'اہل' کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لفظ 'اہل' سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس آیت کے علاوہ دیگر متعدد آیات میں یہ لفظ آیا ہے اور مختلف معانی (بیٹا، اولاد، بیوی، افرادِ خانہ، گھر والے، اہلِ خاندان) میں استعمال ہوا ہے۔ ان سب آیتوں پر غور وفکر کا ماحصل یہ ہے کہ اس کا عمومی اطلاق ان تمام افراد پر ہوتا ہے جو ایک ساتھ کسی گھر میں رہتے ہیں۔ اُردو میں اس کی جامع و عام فہم تعبیر 'گھر والے/ گھر والوں' سے کی جاتی ہے۔ اہم بات یہ کہ بیش تر اردو مترجمینِ قرآن نے 'اہل' کا ترجمہ گھر والوں یا اہل وعیال کیا ہے۔ اور بعض مفسرین کی رائے میں 'اہل' کے دائرہ میں غلام، مستقل ملازمین و خادمین کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے (معارف القرآن، ج ۸، ص ۵۰۲)۔ بہرحال 'امر بالمعروف ونہی عن المنکر' ہو یا 'تواصی بالحق'، اس ذمہ داری کی انجام دہی سب سے پہلے اپنے گھر والوں کی نسبت سے مطلوب ہے۔

اسی ضمن میں یہ بات بھی لائقِ توجہ ہے کہ زیرِ بحث آیت میں اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم سے بچانے کے لیے 'امر' کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، یعنی تاکید کے لیے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس نے اس کام کو فرض کا درجہ دے دیا ہے۔ مقصود یہ کہ اپنی اور گھر والوں کی اصلاح کے لیے کوشش محض مطلوب نہیں، بلکہ ضروری ہے۔ آیت میں جہنم کی آگ کے بھڑکنے کے ذرائع ذکر کر کے اس کام (نارِ جہنم سے بچانے) کی ضرورت و اہمیت کو اور بڑھا دیا گیا ہے۔ سچ پوچھیے تو اس سے بڑھ کر ضروری و اہم کام اور کیا ہوسکتا ہے کہ اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو حقیقی کامیابی سے ہم کنار کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ اس آیت کی تشریح میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بجا تحریر فرمایا ہے: ''ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے جو کچھ کرسکتا ہے اسے اٹھائے نہ رکھے۔ جب بھی دیکھے کہ ان کے اندر اللہ کی شریعت سے بے پروائی راہ پا رہی ہے، فوراً اس کے سدِّ باب کی فکر کرے'' (تدبر قرآن، ج ۸، ص ۴۶۹)۔

جب یہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء ۲۶:۲۱۴) نازل ہوئی (یعنی آپؐ کو اپنے قبیلہ و خاندان کے لوگوں کو علانیہ انذار کا حکم ہوا) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ قریش کی تمام شاخوں کے لوگوں کو جمع کیا اور ایک ایک شاخ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، میں (روزِ جزا) تمھارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ آخر میں حضرت فاطمہؓ سے ان الفاظ میں مخاطب ہوئے: وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ! سَلِيْنِيْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِيْ لَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الشعراء باب وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ) ''اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ! تم بھی اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، میرے پاس جو کچھ مال ہے اس میں جو چاہو لے سکتی ہو، لیکن (یاد رکھو کہ) میں قیامت کے دن اللہ کے مقابلے میں تمھارے کچھ کام نہ آسکوں گا''۔ حقیقت یہ کہ گھر والوں کی تذکیر اور انھیں نارِ جہنم سے بچانے کی راہ میں کوشش کی نسبت سے اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم سب کے لیے بڑی عبرت و نصیحت ہے اور ان مختصر جملوں میں انذار کے پہلو سے جو جامعیت ہے وہ اپنی جگہ مسلّم ہے۔

● **گھر کے نگران کی جواب دہی:** مذکورہ بالا آیت کے مطابق گھر والوں کو جہنم سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری کس کی ہے؟ بیش تر مفسرین اس کا مخاطب گھر کے سرپرست و نگراں کو قرار دیتے ہیں، یعنی گھر کے لوگوں کی اصلاح یا ان کے احوال کی درستی کی ذمہ داری اصلاً گھر کے نگراں و سرپرست یا بڑے بوڑھوں کی ہے کہ وہ گھر کے لوگوں کو سمجھائیں۔ انھیں دین کی باتیں بتائیں، اچھے کاموں کی طرف توجہ دلائیں اور بُرے کاموں پر انھیں متنبہ کرتے رہیں۔ اس ضمن میں وہ حدیث بھی نقل کی جاتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور اس سے ان لوگوں کے بارے میں باز پرس ہوگی جو اس کی کفالت/نگرانی میں رہتے تھے (صحیح بخاری)۔

اس سے انکار نہیں کہ گھر کے لوگوں کی اصلاح یا ان کے حالات درست کرنے یا انھیں راہِ راست پر لانے کی اصل ذمہ داری سرپرست یا نگراں کی ہی ہوتی ہے لیکن آیت میں اپنے اہل و عیال کو نارِ جہنم سے بچانے کا حکم عمومی انداز میں دیا گیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چھوٹے بڑے، جوان، بوڑھے، مرد و عورت کی تفریق کے بغیر گھر کے تمام لوگوں سے یہ مطلوب ہے کہ وہ موقع و محل کی رعایت کے ساتھ حسبِ استطاعت ایک دوسرے کو اچھی باتیں بتائیں، نیک کاموں

کی طرف متوجہ کریں اور برے کاموں پر متنبہ کرتے رہیں، یعنی یہ سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

● **اہلِ علم اور داعیانِ دین کا فریضہ**: یہ ذمہ داری گھر کے ان لوگوں پر خاص طور سے عائد ہوتی ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے علمِ دین سے نوازا ہے، یعنی جو قرآن و حدیث سے براہ راست دین کی باتیں اخذ کرنے وجاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا جو عام دینی کتب پڑھ کر دینی تعلیمات، شریعت کے احکام اور خیر کی باتوں سے واقف ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو سمجھانے کی استعداد رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ کہ مسلم گھرانے کا ہر فرد، پڑھ کر یا سن کر دین کی ضروری باتوں اور عام اخلاقی تعلیمات کا کچھ نہ کچھ علم رکھتا ہے۔ اس لیے گھر کے لوگوں کو خیر کی طرف متوجہ کرنا یا احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی پر انھیں متنبہ کرنا (حکمت کے تقاضوں اور موقع ومحل کی رعایت کے ساتھ) کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن وحدیث کا پیغام یہ ہے کہ گھر، خاندان ومعاشرہ کے لوگ اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق ایک دوسرے کو اچھی باتوں اور نیک کاموں کی یاددہانی کراتے رہیں۔

● **اہلِ خانہ کی تربیت میں والدین کا کردار**: دوسرے یہ امر بھی غور طلب ہے کہ کسی کے 'اہل' میں اس کی اولاد لازمی طور پر شامل ہوتی ہے اور یہ بات محتاجِ وضاحت نہیں کہ اولاد کی اصلاح، ان میں اخلاقِ حسنہ کی آبیاری، اچھی عادتوں کی پرورش میں سب سے اہم کردار والدین کا ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں کسی شبہہ کی گنجایش نہیں کہ اولاد کی نسبت سے اصلاحِ احوال کی بنیادی ذمہ داری والدین کی ہی ہوتی ہے۔ اولاد کے آرام وسکون کے لیے والدین تمام ممکن سہولتیں فراہم کرتے ہیں اور ہر قسم (وقت، مالی وسائل، جسمانی قوت وذہنی صلاحیت) کی قربانی کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اسی طرح دینی واخلاقی لحاظ سے ان کی زندگی کو سنوارنا بھی ان کا بڑا اہم وخوش گوار فریضہ ہے۔ اس ضمن میں اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ بہت برمحل معلوم ہوتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اولاد کے لیے والد کا بہترین تحفہ یہ ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرے، بالخصوص انھیں حسنِ ادب کی تعلیم دے۔ حضرت ابن سعدؓ سے مروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظِ مبارک ملاحظہ فرمائیں: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ اَدَبٍ (جامع ترمذی، ابواب البر والصلۃ) ''کسی والد کا (اپنی) اولاد کے لیے حسنِ ادب سے بہتر کوئی اور تحفہ نہیں ہے''۔

آج کل تقریباً ہر گھر میں اولاد یا زیرِ نگرانی بچوں کی نسبت سے یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ

ان کی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی ہے، اس کے حصول میں محنت و مشقت و سنجیدگی کے لیے انھیں بار بار نصیحت کی جاتی ہے، ان کی خوب سرزنش ہوتی ہے، ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی ہے۔ ان سب میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کیریئر بنانے اور دنیوی زندگی کی تعمیر و ترقی کے لیے تعلیم کا حصول، اس میں انہماک اور اچھی کارکردگی ضروری ہے، لیکن لمحۂ فکر یہ ہے کہ والدین و سرپرستوں کی یہ نصیحت و یاددہانی، سختی و سرزنش، دینی معاملات میں کوتاہی و فرض عبادات کی ادائیگی میں غفلت، اخلاقی تعلیمات کی خلاف ورزی اور بُری حرکتوں کے عادی ہونے کی صورت میں کم ہی نظر آتی ہے، بلکہ بعض اوقات والدین یا سرپرست انھیں ایسی سہولیات مہیا کرتے ہیں، جو بے کار و لایعنی باتوں میں غیرمعمولی دل چسپی، وقت کے ضیاع اور بُری عادتوں کے جڑ پکڑنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

● **تربیت کا اوّلین مرکز گھر:** کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ماضی میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا اوّلین مرکز گھر ہوتا تھا۔ ماں کے گہوارے کو بچہ کی پہلی درس گاہ کہا جاتا تھا (اب بھی یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے)۔ ماں باپ کے علاوہ گھر کے دوسرے لوگ انھیں اچھی باتیں سکھانے، ان میں اخلاقی خوبیوں کی نشوونما اور انھیں ادب و تہذیب سکھانے میں نہ صرف دل چسپی لیتے تھے، بلکہ اہم کردار ادا کرتے تھے۔ اب گھر کا یہ نظامِ تعلیم و تربیت بہت کمزور ہوتا جارہا ہے۔ بچوں کے سلسلے میں نصیحت، تنبیہ، تاکید و یاددہانی کی ترجیحات بدل چکی ہیں۔ انھیں دینی و اخلاقی باتیں سکھانے یا ان کی تربیت دینے پر کم ہی توجہ دی جاتی ہے۔ موجودہ دور میں گھر اور خاندان کے بکھرے و بگڑے ہوئے ماحول میں بچوں کے تعلیم و تربیت کے قدیم نظام کے احیا و استحکام کی ضرورت کی شدت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خاندانی و سماجی زندگی سے متعلق مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں گھر و خاندان کی موجودہ صورتِ حال کی اصلاح فوری توجہ کی طالب ہے۔

● **اہلِ خانہ کے لیے دعوتی اجتماع:** عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے گھرانوں کے ایک دو (یا اس سے زیادہ) فرد دعوتِ دین کے کام میں دل چسپی رکھتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات عام کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ گھر کے بعض لوگ کسی دینی جماعت سے وابستہ ہوکر دعوتِ دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں، تذکیری مجالس منعقد کرتے ہیں اور دعوتی اجتماعات میں خطیبانہ یا تقریری صلاحیت کے بھی جوہر دکھاتے ہیں۔ یہ تمام دینی سرگرمیاں

مستحسن و مفید ہیں، لیکن یہ کم ہی مشاہدے میں آتا ہے کہ یہ لوگ اپنے گھر کے لوگوں کے لیے بھی دینی مجلس منعقد کرتے ہوں اور انھیں ہفتہ، دو ہفتہ میں اکٹھا کر کے اجتماعی طور پر قرآن وحدیث کی باتیں سناتے ہوں اور انھیں غلط کام سے دُور رہنے پر متنبہ کرتے ہوں۔ اس کام کی افادیت محتاجِ بیان نہیں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وعظ و نصیحت اور تذکیری و دعوتی سرگرمیوں کے مستحق گھر کے لوگ نہیں ہوتے ؟ یقیناً ہوتے ہیں اور سب سے پہلے ہوتے ہیں۔

گھر کے لوگوں کی اصلاح کی خاطر ہر گھر میں وقتاً فوقتاً دینی یا تذکیری مجلس کے انعقاد کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور موجودہ حالات میں یہ وقت کا ایک اہم تقاضا بن چکا ہے۔ کرونا لاک ڈاؤن کے دوران محلّہ کی مساجد میں یا دوسرے کسی مقام پر اجتماعی طور پر دعوتی و تذکیری پروگرام موقوف ہونے کی وجہ سے اس ناچیز کو گھر میں درسِ قرآن کے توسط سے گھر والوں کے سامنے ہفتہ وار کچھ کہنے کا موقع ملا تو ان مجالس کے تجربات نے گھر میں دینی یا تذکیری مجالس کے انعقاد کی اہمیت و افادیت کو دل و دماغ میں نقش کر دیا۔ یہ احساس غالب ہو گیا کہ اس سلسلے میں اب تک بڑی کوتاہی ہوئی ہے۔

گھر میں تذکیری مجلسیں منعقد کرنے کا ایک بڑا فائدہ اس صورت میں سامنے آیا کہ روزمرہ زندگی سے متعلق قرآن وحدیث کی عام ہدایات و تعلیمات کی طرف متوجہ کرنے کے علاوہ بعض اوقات گھر کے کسی فرد کو دین کی کسی خاص بات یا روزمرّہ زندگی کے کسی خاص پہلو کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یا گھر کے لوگوں یا کسی فرد میں خلافِ شریعت معاملات نظر آنے پر انھیں متنبہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے تو قرآن وحدیث کے حوالے سے جب تذکیری مجلس میں سب کے سامنے یہ باتیں واضح کی جاتی ہیں تو گھر کے تمام لوگوں کو ان سے واقفیت ہو جاتی ہے اور متعلقہ امر یا معاملہ سے متعلق قانونِ شریعت سے عمومی آگاہی ہو جاتی ہے۔ دوسرے اس طرح کی مجالس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی غلطی یا کوتاہی پر اجتماعی طور پر متنبہ کر دینے کی وجہ سے گھر کے کسی فرد کو انفرادی طور پر نکیر کرنے یا خطاکار/غلطی کرنے والے سے براہ راست کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور وہ خود سمجھ جاتا ہے کہ اس تنبیہ کا اصل مخاطب کون ہے، اس طرح وہ شرم ساری سے بچ جاتا ہے اور متنبہ کرنے والا انفرادی نکیر کے کسی منفی ردِّعمل سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو کسی کی کوئی غلط بات یا برائی کی خبر ہوتی اور آپؐ اس کی اصلاح کرنا چاہتے تو یہ نہ فرماتے کہ فلاں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا، ایسا کہتا ہے، بلکہ یہ فرماتے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا، ایسا کہتے ہیں (سنن ابوداؤد، کتاب الادب، بَابٌ فِي حُسْنِ الْعِشْرَةِ)، یعنی آپؐ مجلس میں خطا کار کا نام لیے بغیر یا اسے براہِ راست مخاطب کیے بغیر غلطی پر متنبہ کرتے اور اصلاح فرماتے۔

● **نماز کی تاکید — اوّلین تقاضا:** رہا یہ مسئلہ کہ گھر کے لوگوں کو کن باتوں کی خصوصی تاکید کی جائے اور کن اعمال کی انھیں بار بار یاددہانی کرائی جائے، یا گھر پر تذکیری مجالس میں دینی واخلاقی تعلیمات کے کن پہلوؤں پر زیادہ زور دیا جائے؟ یقینی طور پر فرض عبادات کی ادائیگی کی تاکید سب سے مقدم ہے، بالخصوص گھر کے تمام افراد کو نماز کا پابند بنانے کی کوشش کی جائے اور اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی وغفلت دُور کرنے پر خصوصی توجہ دی جائے۔ اس سے ہم سب بخوبی واقف ہیں کہ فرض عبادات میں نماز اوّل نمبر پر ہے۔ یہ افضل العبادات ہے اور اللہ رب العزت کو یاد کرنے اور اس سے تعلق مضبوط کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ اہم بات یہ کہ گھر والوں کو اس فریضہ کی ادائیگی کی تاکید کی بابت بعض قرآنی آیات سے رہنما اشارات بھی ملتے ہیں۔

حضرت اسماعیلؑ کے امتیازی اوصاف میں یہ بیان کیا گیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیتے تھے۔ ارشادِ الٰہی ہے: وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ (مریم ۱۹: ۵۵) ''وہ اپنے گھر والوں کو نماز وزکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کی نگاہ میں پسندیدہ تھے''۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو شرک سے اجتناب اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی نصیحت کے فوراً بعد اقامتِ صلوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اہتمام کی تاکید کی تھی۔ ارشادِ ربّانی ہے: يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ (لقمان ۳۱: ۱۷) ''اے میرے بیٹے! نماز کا اہتمام کرو، نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خصوصی حکم فرمایا: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ (طٰہٰ ۲۰: ۱۳۲) ''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے اور خود اس پر جمے رہیے''۔

آیت کا آخری حصّہ اس لحاظ سے بڑا اہم وسبق آموز ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ گھر والوں کو نماز کی تاکید کرتے رہنے کے ساتھ خود بھی اس پر کاربند رہیں۔

اس سے یہ قیمتی نکتہ اخذ ہوتا ہے کہ لوگوں کی اصلاح کی راہ میں سرگرم رہنے والوں اور انھیں نیک کاموں کی دعوت دینے والوں کو پہلے اپنے آپ کو ان کا خوگر بنانا نہایت ضروری ہے، ورنہ دعوت وتذکیر بے اثر ہوکر رہ جائے گی۔ سچ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر حکمِ الٰہی کی تعمیل میں سرگرم رہنے والا کون ہوسکتا ہے۔

یہاں نماز کے اہتمام کے باب میں اسوۂ مبارکہ سے متعلق صرف ایک حدیث کا حوالہ کافی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام کاج میں لگے رہتے تھے، جیسے ہی نماز کا وقت آجاتا (یا ایک دوسری روایت کے مطابق اذان ہوجاتی) تو آپؐ بلاکسی تاخیر کے اس کی تیاری میں مصروف ہوجاتے تھے (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب کَیْفَ یَکُوْنُ الرَّجُلُ فِیْ اَھْلِہٖ صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب خدمۃ الرجل فی اھلہ)۔

● **دین کی روز مرہ تعلیمات سے آگہی:** اسلام، جیسا کہ معروف ہے، مکمل نظامِ حیات سے عبارت ہے، اور قرآن اہلِ ایمان کو یہ ہدایت دیتا ہے کہ پورے کے پورے سلامتی کے راستہ (یعنی اسلام) میں داخل ہوجاؤ (البقرہ ۲:۲۰۸) ۔ اس لیے عبادات کے علاوہ خانگی، معاشرتی ومعاشی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق بھی قرآنی ہدایات وحدیث کی تعلیمات کی یاددہانی ایک دوسرے کو مسلسل کراتے رہنا چاہیے۔ روز مرہ زندگی سے متعلق خاص طور سے سلام وکلام، ملاقات، میزبانی ومہمانی کے اصول وآداب، کھانے پینے ،اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے کے اسلامی طور وطریق سکھانا، والدین، اولاد، بھائی، بہن، اقربا، پڑوسی، خادم ومزدور کے حقوق سے واقف کرانا،فضول خرچی، غیرضروری رسوم وروایات اور بے مقصد کاموں میں وقت کے ضیاع سے پرہیز پر زور دینا اور لین دین کے معاملات میں دیانت داری وشفافیت کی تعلیم دینا، اور ان سب امور سے متعلق قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہنا زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر پہلو سے کتاب وسنت کی تعلیمات کے باربار تذکرے یا ان پر عمل کی یاددہانی کے بغیر انسانی زندگی کی اصلاح کا جامع تصور شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

● **معروف ومنکر کا فریضہ:** اسی ضمن میں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تذکیر ونصیحت کے تعلق سے اگر اِس وقت کے معاشرہ میں کچھ حرکت نظر آتی ہے تو وہ زیادہ تر

امر بالمعروف (اچھی باتیں بتانے و نیک کاموں کی ترغیب) میں محدود رہتی ہے، برائیوں یا گناہ کے کاموں پر متنبہ کرنے اور ان سے باز رکھنے کی کوشش کم دکھائی دیتی ہے۔ عام لوگوں سے قطعِ نظر خواص و دینی جماعتوں میں نہی عن المنکر کے پہلو سے جو غفلت یا بے توجہی پائی جاتی ہے اس پر مولانا حکیم محمد اخترؒ کا تاثر بہت برمحل ہے: ''منکرات پر روک ٹوک کی عادت اہلِ علم میں بھی کم ہوتی جارہی ہے۔ جس کی وجہ سے منکرات پھیلتے جارہے ہیں۔ جس طرح اچھائیوں کا پھیلانا فرضِ کفایہ ہے اسی طرح برائیوں کو مٹانا بھی فرضِ کفایہ ہے۔ آج اس سلسلے میں غفلت ہورہی ہے''۔

سچ بات یہ کہ 'نہی عن المنکر' کے بغیر 'امر بالمعروف' کا حق ادا ہی نہیں ہوسکتا، جیسا کہ قرآن کریم میں دونوں کام (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) کے ساتھ ساتھ ذکر کے اہتمام سے واضح ہوتا ہے، اور اہلِ ایمان کے امتیازی اوصاف میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا تذکرہ بار بار ملتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اُس صورتِ حال میں جہاں ہر طرف برائیوں کا زور ہو اور لوگ گناہ کے کاموں کے عادی ہوگئے ہوں، وہاں نہی عن المنکر کی ضرورت و اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ موجودہ حالات میں زندگی کے ہر پہلو سے متعلق گھر کے لوگوں کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر یا تذکیر و فہمایش کی ضرورت بڑھتی ہی جارہی ہے۔

● **اجتماعِ اہلِ خانہ کا انعقاد کیسے؟**: رہا یہ مسئلہ کہ گھر میں تذکیری مجالس کیسے منعقد کی جائیں؟ حقیقت یہ کہ ان کا انعقاد کچھ بھی مشکل نہیں۔ شکرِ الٰہی کہ ملک کی مروجہ زبانوں میں قرآن وحدیث کے تراجم اور ان سے متعلق تفسیری و تشریحی کتب بہ کثرت دستیاب ہیں۔ اسی طرح قرآن وحدیث کی تعلیمات پر مختلف زبانوں میں کتب و رسائل کی بھی کمی نہیں ہے۔ تعلیم کے اس پروان چڑھتے ماحول میں شاید ہی کوئی گھر یا خاندان پڑھے لکھے افراد سے خالی ہو۔ قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ کرکے تذکیر کرنے میں اگر کچھ دشواری ہو تو متعلقہ کتابوں کی مدد سے یہ کام بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک ان مجالس کے لیے وقت فارغ کرنے کا سوال ہے، کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس ماحول میں جہاں بہت سے غیر ضروری یا بے مقصد کاموں کے لیے وقت کا بے دریغ استعمال ہوتا رہتا ہے، وہاں ہفتہ وار تذکیری پروگرام سے فیض یابی کے لیے یا آخرت کی تیاری کی خاطر آدھا، پون گھنٹہ وقت فارغ کرنا مشکل نہیں، بلکہ معمولی سی بات ہے۔ اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی

کوشش کے لیے وقت فارغ کرنا بلاشبہہ موجب خیروبرکت، وسیلۂ اجرعظیم اور باعثِ افادیت کثیرہ ہے۔ نیک کام و نیکی کمانے کی طلب ہو اور عزم و ارادہ ہو تو بتوفیقِ الٰہی مشکل سے مشکل کام آسان ہوجاتا ہے۔ دوسرے یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ روزمرہ زندگی سے متعلق اچھی باتیں بتانے اور نیک کاموں کی رغبت پیدا کرنے کے لیے لیکچر و تقریر یا وعظ ضروری نہیں۔ کون شخص ہے جو اس طرح کی کچھ باتوں سے واقف نہیں، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، بات چیت کرتے یہ کام بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

● **اصلاح کا آغاز**: آخر میں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہر معاملے و ہر مسئلے میں قرآن ہمارے لیے بہترین رہنما ہے۔ گھر والوں یا دوسروں کی اصلاح کے کام کے لیے کیا ترتیب بنائی جائے یا اس کے لیے سب سے پہلے ضروری کام کیا ہے؟ اس باب میں مذکورہ بالا آیت سے ہی یہ رہنما ضابطہ اخذ ہوتا ہے اور وہ اس طور پر کہ آیت میں اَنْفُسَكُمْ کو اَهْلِيْكُمْ پر مقدم کیا گیا ہے، یعنی اصلاح کے کام کی قرآنی ترتیب یہ ہے کہ پہلے اپنی تعلیم و تربیت اور اصلاح کی فکر کی جائے، پھر اولاد، گھر والوں یا دوسروں کی اصلاح کے لیے کوشش کی جائے۔ جیسا کہ اس آیت کی روشنی میں بعض بزرگ علمائے دین نے اصلاحی کوششوں میں اس ترتیب کو ملحوظ رکھنے پر خاص زور دیا ہے اور انھوں نے یہ تاثر بھی ظاہر کیا ہے: ''دیکھا بھی جاتا ہے کہ جس کو خود اپنی اصلاح کی فکر ہے اس کو اپنی اولاد و متعلقین کی تعلیم و تربیت کی بھی فکر ہے اور وہ اس کے لیے آسان بھی ہے'' (شاہ وصی اللہؒ، 'علم ترقی کا اہم ذریعہ ہے'، دعوۃ الحق، اگست ۲۰۱۵ء، ص ۴)۔ گویا جو شخص اپنے حالات کو سدھارنے میں سنجیدہ و سرگرم رہتا ہے اس کے لیے دوسروں کی اصلاح کی راہ ہموار ہوجاتی ہے اور یہ حقیقت تو اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اپنے کو سدھارنے کے بعد دوسروں کی اصلاح کے لیے کوشش کی جاتی ہے تو اس کے خاطرخواہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

یہ آیت اسی نکتہ پر غور و فکر کی دعوت دے رہی ہے: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ ۲:۴۴) ''کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟۔ امام غزالیؒ نے دوسروں کی اصلاح کے لیے کوشش کی راہ میں قرآنی ترتیب کو اختیار کرنے پر اس انداز میں زور دیا ہے: ''دوسروں کی اصلاح اپنی اصلاح پر مرتب ہوتی ہے، لہٰذا چاہیے کہ انسان اصلاح کے عمل کا آغاز اپنی ذات سے کرے، پھر اس کے بعد دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرے،

جو خود درست نہیں ہے وہ دوسرے کو کیسے درست کرے گا؟'' (احیاء علوم الدین)۔

مختصر یہ کہ قرآن و حدیث کا واضح پیغام یہ ہے کہ گھر اور خاندان کے لوگ ایک دوسرے کو اچھی باتیں بتاتے رہیں، نیک کاموں کی یاددہانی کراتے رہیں اور بُرے کاموں سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ بلاشبہہ موجودہ بگڑی ہوئی صورتِ حال میں قرآن وسنت کی روشنی میں لوگوں کے حالات سدھارنے، انھیں نیک کاموں کی طرف راغب کرنے اور انھیں برائیوں سے دُور رہنے کی تاکید کرنے کی ضرورت و اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ گھر کے ہر شخص سے یہ مطلوب ہے کہ خود اپنی اصلاح کے ساتھ حسبِ صلاحیت و استعداد حکمت کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کے لیے کوشش کرے اور گھر کے لوگ ایک دوسرے کو اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، ملتے جلتے اچھی باتیں بتاتے رہیں اور نیک کاموں کی طرف متوجہ کرتے رہیں۔ گھر میں اگر کوئی علمِ قرآن و حدیث سے بہرہ ور ہے تو بہتر ہوگا کہ وہ گھر کے لوگوں کو قرآن و حدیث کی تعلیمات سے باخبر کرے، یا پھر دینی کتابوں کی مدد سے ان کی تذکیر کرے اور دینی احکام کے تعلق سے انھیں سمجھائے بجھائے۔

خلاصہ یہ کہ گھر میں ایک دوسرے کو انفرادی طور پر سمجھانے بجھانے، تذکیر و فہمایش، تنبیہ و آگاہی کے ساتھ خاص گھر والوں کے لیے وقتاً فوقتاً اجتماعی پروگرام کا انعقاد بہت ضروری ہوگیا ہے۔ کم از کم ہفتہ میں ایک بار خاص طور سے گھر کے لوگوں کے لیے تذکیری پروگرام کا نظم جاری کیا جائے اور قرآن و حدیث کے حوالے سے انھیں سمجھانے بجھانے کا سلسلہ قائم رکھا جائے۔ بس اصل مسئلہ ہے اس کام کی اہمیت و افادیت کو دل میں جاگزیں کرنے اور دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کرنے کا۔ اس کے لیے ذہن سازی اور مسلسل جدوجہد درکار ہے۔ بلاشبہہ قرآن کی ہر بات برحق ہے۔ اللہ کا کوئی حکم حکمت و نافعیت سے خالی نہیں، وہ بہرصورت موجبِ خیر و برکت ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی نہایت واضح ہدایت ہے کہ لوگوں کو اچھی یا نفع بخش باتیں (جس طریقے سے بھی ممکن ہو) بتاتے رہو، اس سے اہلِ ایمان کو ہر حال میں فائدہ پہنچتا ہے: وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝۵۵ (الذاریٰت ۵۱:۵۵) ''اور (ایک دوسرے کو اچھی باتوں کی) یاددہانی کراتے رہو، بے شک یاددہانی کرنا اہل ایمان کو نفع پہنچاتا ہے''۔